لکھنؤ کے امام باڑے

جناب محمد اسحٰق صدیقی صاحب، لکھنؤ

لکھنؤ ان شہروں میں سے ہے جن کی اپنی الگ ایک پہچان ہے۔ زمانۂ شاہی کے سیاح لکھنؤ کو باغات کا شہر کہتے تھے۔ وہ لکھنؤ کے امام باڑوں اور محرم کے مداح تھے۔ باغات تو باقی نہ رہے۔ امام باڑے البتہ باقی ہیں۔ اس لئے اگر لکھنؤ کو امام باڑوں کا شہر کہا جائے تو بجا ہے۔

زمانۂ شاہی میں لکھنؤ کا شاید ہی کوئی محلہ ایسا ہو جہاں دو چار قابل ذکر امام باڑے موجود نہ ہوں لیکن ان میں سے بیشتر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شہید ہوگئے۔ جو بچ رہے ان کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نوابین اودھ کو عزاداری سے کتنا شغف تھا۔ اسلامی فن تعمیر میں مسجدوں اور مقبروں کے بعد امام باڑوں کا ایک اہم مقام ہے اور یہ اضافہ نوابین اودھ کے مذہبی انہماک اور سرپرستی کا نتیجہ ہے۔

اگر امام باڑوں کی آرائش اور رونق دیکھنا ہے تو محرم میں دیکھئے۔ سال کے گیارہ مہینے تو ان کے آرام کا زمانہ ہے۔ محرم کا چاند دیکھتے ہی وہ جاگ پڑتے ہیں۔ جس نے محرم میں بڑے امام باڑے، چھوٹے امام باڑے اور شاہ نجف کی روشنی دیکھی ہے۔ موم کی ضریح اور تعزیوں کے شاندار جلوس دیکھے ہیں وہ محرم کی تمدنی اہمیت اور افادیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔ (یہ جلوس جن میں زمانۂ شاہی کی عزاداری کی ہلکی سی جھلک نظر آجاتی تھی ۱۹۷۷ء سے بند ہیں)۔

لکھنؤ کے محرم کا مقابلہ اگر کسی تہوار سے کیا جاسکتا ہے تو وہ میسور کا دسہرہ ہے۔ دونوں کی بنیاد حق و باطل کی جنگ پر ہے۔ دسہرے کا انجام ''وِجئے دَشمی'' پر ہوتا ہے اور محرم کا عشرہ پر۔ دونوں دس دن منائے جاتے ہیں۔ رام (خیر مجسّم) راون (پیکر شر و فساد) پر فتح یاب ہوتے ہیں اور امام حسین یزید کے لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوکر فتح مبین حاصل کرتے ہیں۔ زمانہ شاہی میں لکھنؤ کی عزاداری میں ہندو مسلمان برابر کے شریک تھے۔ شاید اس کی وجہ تاریخ کے دو اہم واقعات کی مماثلت اور یکساں انجام تھا یعنی باطل پر حق کی فتح۔

امام باڑہ اس عمارت کو کہتے ہیں جو عزاداری کے لئے مخصوص ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ عزاداری کے لئے امام باڑہ بنایا ہی جائے۔ ایک غریب آدمی تخت یا چوکی پر چاندنی بچھا کر تعزیہ رکھ سکتا ہے۔ دیوار کی الماری یا طاق میں چھوٹا سا تعزیہ سجا سکتا ہے۔ اگر مکان میں کئی کمرے ہوں تو ایک کمرہ تعزیے کے لئے وقف کیا جا سکتا ہے، جسے شمالی ہند میں ''تعزیہ خانہ'' اور دکن میں ''عاشور خانہ'' اور ''امام بارگاہ'' کہتے ہیں۔ جو عمارت عزاداری کے لئے وقف ہوا سے ایران میں ''حسینیہ'' کہا جاتا ہے، گنگا جمنی تہذیب کے حامل اہل لکھنؤ نے اسے امام باڑہ کہا۔

محرم کے علاوہ سال کے دوسرے ایام میں بھی امام باڑوں میں مجلسیں ہوتی ہیں۔ عام طور پر جمعرات کو، چہاردہ معصومینؑ کے یوم ولادت کے موقع پر محافل منعقد ہوتی ہیں اور یومِ وفات پر مجالس۔ بعض مجلسیں کسی کے مرنے پر ایصال ثواب کے لئے ہوتی ہیں۔ انتقال کے بعد پہلے یومِ وفات پر برسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہر سال دیسہ ہوتا ہے۔

بعض امام باڑوں میں قبریں نظر آتی ہیں۔ یہ وہ امام باڑے ہیں جہاں بنوانے والے اپنی وصیت کے مطابق دفن

کئے گئے۔ بعض امام باڑے بطور مقبرہ تعمیر کئے گئے۔ بعض امام باڑے افرادِ خاندان کا مدفن ہیں اور بعض میں معاوضہ یا قیمت دے کر قبریں میسر ہوسکتی ہیں۔

عام طور پر امام باڑے کے تین حصے ہوتے ہیں: شہ نشین، جہاں ضریح تعزیے اور علم آراستہ کئے جاتے ہیں۔ یہ حصہ بہ لحاظِ ادب اتنا اونچا ہوتا ہے کہ حاجت مند ہاتھ آسانی سے اندر پہنچ سکتے ہیں، سرِ نیاز خم کیا جاسکتا ہے، آنکھیں بچھائی جاسکتی ہیں اور لب بوسہ لے سکتے ہیں۔

شہ نشین کے آگے دالان ہوتا ہے جو مجلس کے لئے وقف ہوتا ہے۔ اس میں فرش پر دری، چاندنی یا قالین بچھے ہوتے ہیں۔ خاص چیز منبر ہے۔ یہ ایک خاص وضع کا لکڑی کا زینہ ہوتا ہے جس پر بیٹھ کر مرثیہ گو یا ذاکر اس انداز سے واقعہ کربلا کی تفصیل بیان کرتا ہے کہ اگر انسان کا ضمیر زندہ ہو، حق و باطل میں امتیاز کرسکے اور سینے میں دل کی جگہ پتھر نہ ہو تو آنکھوں میں آنسو آہی جاتے ہیں۔ یہ آنسو سوگوارِ حسینؑ کی نگاہ میں موتیوں سے زیادہ قیمتی اور انسانیت کی دلیل اور وسیلۂ نجات ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجلس میں شریک ہونے والے اتنے زیادہ ہوں کہ ایک دالان میں نہ سماسکیں۔ اس لئے ایک دالان کے سامنے دوسرا دالان یا برآمدہ ہوتا ہے اور جب وہ بھی بھر جاتا ہے تو بعد میں آنے والے صحن میں بیٹھتے ہیں، حفاظت کے لئے امام باڑے کے گرد چہار دیواری ہوتی ہیں جس میں آمد و رفت کے لئے ایک یا دو پھاٹک ہوتے ہیں۔

امام باڑے کی عمارت میں سامنے کے رُخ پر پانچ در ہوتے ہیں جو پنجتن پاک (محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ) کی یاد دلاتے ہیں۔ امام باڑے کے دونوں طرف صحنچیاں ہوتی ہیں جن میں بارہ امامؑ کے لحاظ سے بارہ در ہوتے ہیں۔

امام باڑے دو طرح کے ہوتے ہیں: عوامی اور نجی۔ عوامی سے مراد وہ امام باڑہ ہے جہاں ہر شخص بلاامتیاز مذہب و ملت شریک مجلس ہوسکتا ہے یا امام باڑے کی زیارت کرسکتا ہے۔ نجی سے مراد وہ امام باڑہ ہے جو مکان کا ایک حصہ ہے، جہاں صاحبِ خانہ کی اجازت یا مدعو کئے بغیر کوئی داخل نہیں ہوسکتا۔ امام باڑے کے مردانہ اور زنانہ دو حصے بھی ہوسکتے ہیں۔

جہاں تک فن تعمیر کا تعلق ہے لکھنؤ اور دہلی کی تاریخی عمارتوں میں خاص فرق یہ ہے کہ دہلی کی عمارتیں پتھر کی بنی ہیں۔ لکھنؤ میں پتھر نہ ہونے اور بار برداری کے مصارف سے بچنے کے لئے عمارتیں (جن میں امام باڑے بھی شامل ہیں) لکھوری، اینٹوں اور لال چونے سے بنائی گئیں۔ مضبوطی کے لئے گارے میں پسی ہوئی سیپیں، ماش کی دال، شیرہ (راب) اور گڑ ملایا گیا۔ دہلی کے سنگ تراش پتھر کاٹ کر مختلف وضع کے ستون اور محرابیں بناتے اور گل بوٹے تراشتے تھے۔ لکھنؤ کے معماروں نے محرابوں کی آرائش کے لئے مسالے سے گل بوٹے، بیلیں اور مچھلیاں بنائیں۔ بیرونی دیواروں کو سپاٹ چھوڑنے کے بجائے مسالے سے خاص وضع کی کھڑکیوں (Venetian-Blind) کی نقلیں بنائیں۔ اس اُبھری ہوئی آرائش کو منبت کاری (Stucco-Work) کہتے ہیں۔ اِسے آپ مختلف امام باڑوں اور مسجدوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ لکھنؤ کی چکن میں اس کام کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس تمہید کے بعد لکھنؤ کے موجودہ امام باڑوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(ا) امام باڑہ آصفی

بہ شہرۂ آفاق امام باڑہ نواب آصف الدولہ (زمانۂ حکومت ۱۷۷۵ء-۱۷۹۷ء) نے بنوایا تھا۔ اسے عام طور پر بڑا امام باڑہ کہتے ہیں۔ یہ حسین آباد کے چھوٹے امام باڑے سے کچھ دور سڑک کے کنارے واقع ہے۔ دونوں کے درمیان ایک نہایت عالیشان پھاٹک نظر آتا ہے جسے رومی دروازہ کہتے ہیں۔ یہ دونوں عمارتیں لکھنؤ کی شان ہیں۔ بڑا امام باڑہ ہندوستان میں اسلامی فن تعمیر کا آخری شاہکار ہے۔

اس امام باڑے کی تعمیر کا آغاز ۱۷۸۴ء میں دورانِ قحط رعایا پروری کے لئے ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ قلعے جیسی یہ عمارت

برسوں میں تیار ہوئی ہوگی۔ تاریخ تعمیر یہ ہے ؎

آستانِ شہید ابن شہید (۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء)

اس حیرت انگیز عمارت کا نقشہ کفایت اللہ شاہ جہاں آبادی نے بنایا تھا، لیکن افسوس کہ اب یہ نقشہ موجود نہیں ہے—اگر ہوتا تو امام باڑے کی بھول بھلیاں کا بھید کھلتا اور زمین دوز راستوں کے راز معلوم ہوتے۔ امام باڑے کی تعمیر کی لاگت کا اندازہ اس زمانے کے ڈیڑھ کروڑ روپئے کیا جاتا ہے۔ کام کرنے والوں کی تعداد ۲۲۰۰۰ر بیان کی جاتی ہے۔

حسین آباد سے بڑے امام باڑے کی طرف آنے پر رومی دروازے کا سامنے کا رُخ نظر آتا ہے۔ یہ بڑے امام باڑے میں داخلے کا خاص دروازہ ہے۔ اس میں تین بلند و بالا در ہیں۔ بڑے بڑے ٹرک سامان سے لدے درمیانی در سے بہ آسانی گذر جاتے ہیں۔ چھوٹی سواریاں اور پیدل چلنے والے اطراف کے دروں سے آتے جاتے ہیں۔

رومی دروازہ پار کرنے کے بعد دائیں جانب امام باڑے کا پہلا پھاٹک نظر آتا ہے جس میں تین دَر ہیں، سڑک کے پار اس کے مقابل بائیں جانب کا پھاٹک اس کا جواب ہے جسے نوبت خانہ کہتے ہیں۔ پھاٹک میں جانے کے بعد ایک کشادہ صحن نظر آتا ہے جس کے بیچ میں گول سبزہ زار ہے اور دونوں جانب راستے ہیں۔ اس صحن کے سرے پر پتھر کے ۱۹ر زینے ہیں جن پر چڑھ کر ایک دوسرا پھاٹک ملتا ہے۔ اس میں بھی تین در ہیں۔ بیچ کا در آمد و رفت کے لئے کھلا ہے۔ (اطراف کے در بند ہیں۔ ان کے سامنے اور زینوں پر خوش نما پودوں کے گملے سجے ہیں۔) اس پھاٹک سے گزرنے کے بعد دوسرا باغ و بہار صحن ملتا ہے جس کے دائیں طرف آصفی مسجد اور بائیں جانب باولی ہے۔ سامنے امامباڑے کی عالیشان عمارت ایک بلند چبوترے پر بنی ہے۔ اس چبوترے کے سامنے پتھر کے ۱۸ر زینے ہیں۔ سامنے کے رُخ صحنچیوں کے دروازے ملا کر کل ۱۳ر در ہیں (۳+۷+۳) جن میں جالی دار لکڑی کے دروازے انگریزی دورِ حکومت کا اضافہ ہیں۔

امام باڑہ بظاہر ایک لیکن درحقیقت تین منزلہ عمارت ہے جس کے تین درجے ہیں: پشت پر تیرہ دروں والی شہ نشین اور سامنے والا دالان۔ شہ نشین کی زینت بیش قیمت تعزیے اور علم ہیں۔ مرکزی دالان کی اندرونی لمبائی ۱۶۳ر فٹ، چوڑائی ۵۳ر فٹ اور بلندی ۵۰ر فٹ ہے۔ اس کی دیواریں ۱۶ر فٹ موٹی ہیں۔ اتنے بڑے ہال کی چھت میں سہارے کے لئے کہیں بھی لوہے یا لکڑی کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ چھت قالب دار ہے یعنی اس کا وزن کمان دار ڈاٹوں پر بانٹا گیا ہے۔ یہ دنیا میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا ہال ہے۔ اور اس کی چھت کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ شہ نشین اور دالانوں کے دونوں جانب جو صحنچیاں ہیں، ان کی اونچائی ۵۳ر فٹ اور دیواروں کی موٹائی ۱۶ر فٹ ہے۔ مرکزی دالان کے وسط میں نواب آصف الدولہ کی قبر ہے۔ اور ان کے پہلو میں ان کی زوجہ شمس النساء بیگم دفن ہیں۔ اس دالان کے سامنے ایک دوسرا دالان ہے۔ یہ دونوں دالان جو مجالس کے لئے وقف ہیں نہایت خوش نما اور بیش قیمت جھاڑ فانوس سے آراستہ ہیں، بعض چھت سے لٹک رہے ہیں اور بعض فرش پر رکھے ہیں۔ یہ بلجیم اور انگلستان کے بنے ہیں۔ ان کے علاوہ شہ نشین کے سامنے چند بہت بڑے آئینے آراستہ ہیں جن کے فریم سنہری ہیں۔ جو شیشہ آلات موجود ہیں وہ برائے نام ہیں۔ بیشتر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ضائع ہو گئے۔ محرم میں جب یہ روشن کئے جاتے ہیں تو امام باڑے میں رنگ و نور کا سیلاب آجاتا ہے۔

آٹھویں اور نویں محرم کو اس امام باڑے میں روشنی کی جاتی ہے (انھیں تاریخوں میں چھوٹے امام باڑے اور شاہ نجف میں بھی روشنی ہوتی ہے) ۶ر محرم کو آگ کا ماتم ہوتا ہے۔ روشنی اور آگ کا ماتم دیکھنے کے لئے لوگ دُور دُور سے آتے ہیں۔

آصفی امام باڑے میں پہلی منزل سے لے کر تیسری منزل کی چھت تک بھول بھلیاں ہے جس کے راستے اور دَر یکساں ہیں۔ دروں کی اونچائی اور راستوں کی چوڑائی اتنی ہے کہ بہ یک

وقت ایک تندرست انسان گزر سکتا ہے۔ دَروں کی تعداد ۴۸۹ / اور راستے ہزار بیان کئے جاتے ہیں۔ روشنی اور ہوا کی رسائی کے لئے دیواروں میں جا بجا روشن دان ہیں۔ راستے میں کہیں زینوں پر چڑھنا پڑتا ہے اور کہیں اُترنا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راستے مختلف بلندیوں پر ہیں۔

بھول بھلیاں میں جانے کا راستہ امام باڑے کے باہر بائیں جانب ہے (باہر سے اندر آنے کے لحاظ سے) اگر گائڈ ساتھ نہ ہو تو انسان گھنٹوں بھٹکتا رہے اور باہر نہ نکل سکے۔ کہا جاتا ہے کہ امام باڑے کی موٹی موٹی دیواریں اور محرابوں کے پائے بھی کچھ کھلے ہیں۔ ان میں بھول بھلیاں کا کچھ حصہ ہے۔ اسی طرح فرش کے نیچے تہہ خانے اور پُر پیچ راستے ہیں۔ ان میں جو گیا کبھی واپس نہ آیا۔ اسی لئے انہیں احتیاطاً انگریزی دورِ حکومت میں بند کر دیا گیا۔

امام باڑہ، بھول بھلیاں، باؤلی اور رومی دروازہ دیکھنے کے لئے دن بھر لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ بھیڑ میں مقامی، ملکی اور غیر ملکی ہر طرح کے لوگ نظر آتے ہیں۔ یہ لکھنؤ کی واحد عمارت ہے جسے دیکھنے کے لئے بیرونی سیاح خاص طور سے آتے ہیں۔

آصفی امام باڑہ اور اس سے متعلقہ عمارتیں محکمۂ آثار قدیمہ اور حسین آباد ٹرسٹ کی نگرانی میں ہیں۔

(۲) امام باڑہ حسین آباد

اسے عام طور پر چھوٹا امام باڑہ کہتے ہیں۔ اسے اودھ کے تیسرے بادشاہ محمد علی شاہ نے ۱۸۳۷ء میں بنوایا تھا۔ یہ بڑے امام باڑے سے کچھ دور اس سڑک پر واقع ہے جو حسین آباد سے ٹھاکر گنج جاتی ہے۔ اس کے شروع اور آخر میں سڑک پر تین دروں والے دو پھاٹک ہیں۔ امام باڑہ سڑک کے بائیں جانب ہے۔ اندر جانے کے لئے سہ درہ پھاٹک ہے۔ اس پھاٹک کا جواب سڑک کے دائیں جانب ہے۔ اُسے نوبت خانہ کہتے ہیں۔

پھاٹک میں داخل ہونے پر ایک لوہے کا گیٹ ملتا ہے جس کے اوپر سنہری مچھلی نصب ہے جو ہوا کا رُخ بتاتی ہے۔ اس پھاٹک کے دونوں جانب دو حسین عورتوں کے سنہری مجسمے نصب ہیں جن کا لباس یونانی ہے۔ ہر عورت لوہے کی ایک لمبی زنجیر تھامے ہے جس کا دوسرا سرا پھاٹک کے بالائی حصّے سے بندھا ہے۔

مچھلی والے پھاٹک کے آگے ایک وسیع صحن کے دونوں جانب باغ ہے۔ صحن کے بیچ میں ایک نہر (مستطیل حوض) ہے جو فوّاروں سے آراستہ ہے۔ درمیان میں لوہے کا آرائشی پل ہے۔ اس پل کے آگے پہلے ایک کشتی پر دُلدُل کا مجسمہ تھا جو عرصہ ہوا آندھی طوفان میں ٹوٹ گیا۔ اس کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے۔

امام باڑے کے صحن کے دائیں گوشے میں ایک خوشنما چھوٹی مسجد اور بائیں جانب شاہی حمام ہے۔ (آصفی امام باڑے میں دائیں جانب ایک بڑی مسجد اور بائیں جانب باؤلی ہے۔) امام باڑے کے دونوں جانب غلام گردش ہے جس کے دائیں طرف کے ایک حجرے میں دُلدل کا اصطبل ہے۔

نہر کے دونوں جانب تاج محل سے مشابہ دو چھوٹی عمارتیں ہیں۔ دائیں جانب والی عمارت کو شہزادی کا مقبرہ کہتے ہیں۔ اس میں محمد علی شاہ کی بیٹی دفن ہیں جن کا صغر سنی میں انتقال ہو گیا تھا۔ بائیں جانب اس مقبرے کا جواب ہے۔

صحن کے سامنے دوسرے سرے پر امام باڑے کی عمارت ایک قد آدم اونچے چبوترے پر بنی ہے جس کے دونوں جانب زینے بنے ہیں اور بیچ میں ایک خوشنما حوض ہے۔

امام باڑے کی عمارت کے تین درجے ہیں: شہ نشین، مرکزی دالان اور اگلا دالان (یا کمرہ) جو آگے کو نکلا ہوا ہے۔ اگلے دالان میں سامنے کے رُخ پانچ در ہیں۔ اس کے دونوں جانب صحنچیاں ہیں جن میں اوپر نیچے پانچ پانچ دَر ہیں۔ عمارت کی پیشانی اور محرابوں پر خط نسخ میں کتبے ہیں۔ مرکز میں تاریخِ تعمیر درج ہے ؎

شه زمانه محمد علی بنا فرمود
امام‌باڑہ پئے ذکرِ مجلسِ حسنین علیہ السلام
ز روئے آه دِلم خواند نوحۂ تاریخ
بناء تعزیه و ماتم امام حسین علیہ السلام
۵ ۱ ۲ ۵ ۳

دھوپ میں چمکتا سنہرا گنبد امام باڑہ کے حسن کو دوبالا کرتا ہے۔اس میں کمرخ کی جیسی پھانکیں ہیں۔تاج محل سے مشابہ عمارتوں کے کلس کے نیچے کے حصے بادشاہ کے تاج کی نقل ہیں۔ اُن کی سنہری چمک ماند پڑ گئی ہے اور بعض حصے مرمت طلب ہیں۔

شہ نشین میں (بائیں سے دائیں کو) موم کی ضریح، صندل کا تعزیہ، چھوٹے منہ کی بوتل میں ہاتھی دانت کی ضریح، درمیانی در میں چاندی کا روضۂ امام حسینؑ، صندل اور ہاتھی دانت کے بنے امام رضاؑ کے روضے اور قیمتی علم قابل دید ہیں۔

شہ نشین کے سامنے مرکزی دالان کے وسط میں دائیں طرف محمد علی شاہ کی قبر ہے اور بائیں طرف ان کی والدہ (ملکۂ عالیہ) کی۔ کچھ دور پر زیر شامیانہ چاندی کا منبر نظر آتا ہے۔ فرش نہایت خوشنما سنگِ مرمر (سفید) سنگِ موسیٰ (سیاہ) اور سنگ عیسیٰ (زرد) کا بنا ہے۔ دیواریں خطاطی کے بہترین نمونوں اور طُغروں سے آراستہ ہیں۔سنہری فریم والے آئینے بھی قابل دید ہیں۔ خاص آرائش شیشہ آلات کی ہے۔ بلجیم اور انگلستان کے بنے بھاری بھرکم جھاڑ چھت سے لٹکے اور فرش پر رکھے ہیں، ان کے علاوہ چین کی بنی ہوئی رنگ برنگ ہانڈیاں اور جھابے بھی آویزاں ہیں۔محرم میں جب ان میں روشنی کی جاتی ہے تب گویا ان میں جان پڑ جاتی ہے۔جھاڑوں کے سہ پہل قلموں میں قوس قزح کے سات رنگ نظر آتے ہیں۔ رنگ ونور سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا بیان الفاظ میں ناممکن ہے۔

امام باڑے کا انتظام حسین آباد ٹرسٹ کے ذمہ ہے۔ یہ ٹرسٹ (وقف) محمد علی شاہ نے ۱۸۳۹ء میں قائم کیا تھا اور اس کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خزانے میں ۳۶ لاکھ روپئے جمع کئے تھے۔

(۳) امام باڑہ شاہ نجف

یہ امام باڑہ دریائے گومتی کے کنارے واقع ہے۔ اس کے دائیں جانب سکندر باغ اور بائیں جانب کچھ دور موتی محل ہے۔موتی محل کے علاوہ جواہر بھون اور شاہ نجف روڈ (حضرت گنج) سے بھی راستے جاتے ہیں۔اِسے اودھ کے پہلے بادشاہ غازی الدین حیدر (زمانۂ حکومت ۱۸۱۴ء-۱۸۲۷ء) نے اعلانِ بادشاہت (۱۸۱۹ء) سے قبل بنوایا تھا۔تاریخِ تعمیر ہے ؎

باحُسنِ عقیدت نجفِ اشرف را
فرمود بنا نِہند نواب وزیر
تاریخ مبارکش چو جستم از عقل
ہاتف گفتا 'عجب نجف شد تعمیر'
(۱۲۳۲ھ/ مطابق ۱۸۱۶-۱۷ء)

اندرونی پھاٹک پر کتبہ ہے: ''شبیہ روضہ نجف اشرف''۔ یہ پیغمبر اسلامؐ کے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؑ کے مزار کی نقل ہے جو عراق کے شہر نجف میں ہے۔

پہلا پھاٹک سڑک کے کنارے واقع ہے جس کے اوپر دو شیر بنے ہیں۔جو حضرت علیؑ کے لقب اسداللہ (فارسی شیرِ خدا) کی یاد دلاتے ہیں۔شیروں کے پنجے دو مچھلیوں کے حلقے پر ٹکے ہیں۔ اوپر تاج بنا ہے (جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پھاٹک غالباً اعلانِ بادشاہت کے بعد کا اضافہ ہے) پھاٹک کی محراب گول ہے۔ اُس کے دونوں جانب گنبد ہیں۔

اس پھاٹک کے آگے پختہ راستہ ہے جس کے اطراف میں سبزہ زار ہیں۔ اس کے بعد دوسرا پھاٹک ملتا ہے۔ یہاں ایک ملازم ہر ایک گھنٹے کے بعد وقت کے مطابق گھنٹہ بجاتا ہے۔ پھاٹک کے دونوں جانب ملازمین کے رہنے کے لئے کمرے ہیں۔اس کے بعد تیسرا پھاٹک ہے جہاں سے روضہ کا جنوبی رُخ اور چھت پر شاندار سفید گنبد نظر آتا ہے۔گنبد کا کلس سنہری ہے۔روضہ کی عمارت چوکور ہے۔اس کے چاروں طرف غلام گردش ہے۔

روضے کے جانب مغرب ایک چھوٹی مسجد ہے۔شمال کی طرف چوتھا پھاٹک ہے۔اس کے بعد فصیل میں پانچواں پھاٹک ہے جو عام طور پر بند رہتا ہے۔اس پھاٹک سے کچھ دور دریائے گومتی ہے۔

امام باڑے میں داخلہ چوتھے پھاٹک سے ہوتا ہے۔
برآمدے کے بعد خاص عمارت کے تین دروازے نظر آتے ہیں جن میں برما کے ساگون (Teak) کی بنی نقشی چوڑیاں لگی ہیں۔ اندر کا فرش سنگِ مرمر (سفید) اور سنگِ موسیٰ (سیاہ) کا شطرنجی ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے جس کے ہر پہلو میں روشن دان ہے۔ گنبد کے نیچے تین قبریں ہیں۔ بیچ میں غازی الدین حیدر کی، دائیں جانب مبارک محل کی اور بائیں جانب ممتاز محل کی قبریں ہیں۔ ان سے ذرا فاصلے پر بائیں گوشے میں بادشاہ کی تیسری بیوی سرفراز محل دفن ہیں۔ قبروں پر تعزیے رکھے ہیں۔ آخرالذکر کے نزدیک منبر نظر آتا ہے۔

امام باڑے کا جنوبی در بند کر دیا گیا ہے۔ اس حصے میں شہ نشین ہے جہاں چاندی کی شبیہ نجف اشرف، صندل کا تعزیہ اور علم آراستہ ہیں۔

امام باڑے کی آرائش قابل دید ہے۔ بیش قیمت جھاڑ فانوس، زرد، نیلی اور سبز ہانڈیاں چھت سے مناسب فاصلوں پر لٹکی ہیں، فرش پر بیٹھکیں (فرش جھاڑ) اور مردنگ رکھے ہیں۔

امام باڑے میں داخل ہوتے ہی دیوار پر فریم کی ہوئی تین تصویریں (Oil Paintings) نظر آتی ہیں۔ غازی الدین حیدر، نواب سر محسن الدولہ اور نواب ممتاز الدولہ کی یہ تصویریں مسز جاپلنگ رو (Mrs. Jopling Rowe) کی بنائی ہوئی ہیں۔

غازی الدین حیدر نے ۱۸۲۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خزانے میں ایک کروڑ روپئے بطور قرضِ دوام جمع کئے تھے جس کا سود بیگمات کے وثیقے، امام باڑے کی بقا اور عزاداری جاری رکھنے کے لئے وقف کیا تھا۔

غازی الدین حیدر کے بعد ان کی بیگم مبارک محل، ان کے بعد حکیم بندہ مہدی خاں حسب وصیت شاہ نجف کے متولی ہوئے۔ ان کے بیٹے اور جانشین حکیم بندہ رضا خاں نے بلا وصیت ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا۔ اس لئے شاہ نجف کا انتظام حسین آباد ٹرسٹ کے ذمے کر دیا گیا۔ شاہ نجف کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر یہ امام باڑہ محکمۂ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں وطن پرستوں نے سکندر باغ کی طرح یہاں بھی انگریزی فوج سے زبردست مقابلہ کیا تھا لیکن شکست ہوئی۔ اس جنگ میں شاہ نجف کا بیش بہا آرائشی سامان لوٹ لیا گیا یا ٹوٹ پھوٹ گیا۔ جو بچا وہ ہمارے سامنے ہے۔

(۴) امام باڑہ سبطین آباد

یہ امام باڑہ حضرت گنج میں واقع ہے (نمبر ۳۰)۔ اسے عام طور پر لوگ مقبرہ کہتے ہیں کیونکہ یہاں حضرت گنج کے بانی حضرت امجد علی شاہ (زمانہ حکومت ۱۸۴۲ء-۱۸۴۷ء) دفن ہیں۔

اِسے حضرت امجد علی شاہ کے بیٹے واجد علی شاہ نے دس لاکھ روپئے کی لاگت سے بنوایا تھا۔ تاریخ تعمیر ہے ؎

"آرام گاہ ظل اللہ"

(۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۷ء)

انہوں نے اس کا نام رکھا سبطین آباد (سبط عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں نواسا، مراد رسولِ خدا کے نواسوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے ہے) یہ زمانۂ شاہی کی لکھنؤ کی آخری یادگار ہے۔ معزولی کے بعد واجد علی شاہ نے مٹیابرج کلکتے میں اسی نام کا دوسرا امام باڑہ بنوایا جہاں ان کی دائمی آرام گاہ ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس امام باڑے کو شدید نقصان پہنچا۔ اس کا سارا آرائشی سامان لٹ گیا۔ امام باڑے کے سامنے دو پھاٹک ہیں جن کے درمیان "مقبرہ روڈ" حائل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سڑک انگریزی دورِ حکومت کی تعمیر ہے۔ پہلے یہاں دونوں پھاٹکوں کے درمیان صحن اور باغ رہا ہوگا۔ سڑک کے دونوں طرف کی عمارتیں بھی بعد کی تعمیر ہیں۔ امام باڑے کی وسعت کا اندازہ اس کی پشت پر واقع لال باغ کی اس گلی میں جا کر ہو سکتا ہے جس کا نام بی این گھئی لین (B. N. Ghai Lane) ہے۔

امام بارہ سبطین آباد بڑے امام باڑے کی چھوٹی موٹی نقل ہے۔ عمارت ایک اونچے چبوترے پر بنی ہوئی ہے جس

کے دونوں طرف زینے اور درمیان میں حوض ہے (جسے پاٹ دیا گیا ہے)۔

امام باڑے میں شہ نشین کے سامنے دو دالان ہیں۔ ہر ایک میں پانچ پانچ در ہیں۔ دالانوں کے دونوں طرف دو منزلہ صحنچیاں ہیں جن میں اوپر نیچے تین تین در ہیں۔ عمارت لکھوری اینٹ اور لال چونے کی بنی ہے۔ بڑے امام باڑے کی طرح اس کی چھت میں بھی لوہے یا لکڑی کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ محرابوں اور پشت کی مُنبّت کاری قابل دید ہے۔

امام باڑے کے دائیں جانب مسجد ہے۔ سامنے صحن کے بیچ میں اندرونی پھاٹک ہے۔ پھاٹک اور صحن کے دونوں طرف غلام گردش ہے۔ جس کے کمروں اور پھاٹکوں میں کرائے دار آباد ہیں۔ اگلے پھاٹک میں دکانیں ہیں۔ شہ نشین اور بائیں طرف کی صحنچی میں لکڑی کے فرنیچر کا کارخانہ ہے۔ چبوترے کے سامنے جھونپڑیاں اور اوپر ٹین کا بنا گودام ہے۔ امام باڑہ محکمۂ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

(۵) امام باڑہ قاسم علی خاں

یہ امام باڑہ حسین آباد کے نزدیک محلہ پیر بخارا میں ڈھال پر واقع ہے۔ اس کے مقابل چوک کا فائر اسٹیشن اور قریب ہی کونیشور کا مندر ہے۔ اسے نواب قاسم علی خاں خلف مرزا محمد علی سالار جنگ نے آصف الدولہ کے زمانے میں (۱۷۷۵ء-۱۷۹۷ء) بنوایا تھا۔ اس کے پاس ہی مرزا علی خاں کا مقبرہ ہے۔ (وفات ۱۷۷۹ء) وہ اور سالار جنگ سگے بھائی اور نواب آصف الدولہ کے ماموں تھے۔

دوسرے امام باڑے کے برخلاف جن کا رُخ جنوب کی طرف ہے اس کا رُخ مشرق کی طرف ہے۔ یہ کالے امام باڑے کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس کی سیاہ دیواروں اور محرابوں پر آیات قرآنی بخطِ نسخ سفید رنگ سے لکھی گئی تھیں اور سفید رنگ سے طُغرے، مسجد، گلدستے، دُلدُل، اونٹ اور براق وغیرہ بنائے گئے تھے۔

شہ نشین کی چھت پرانی ہے۔ سامنے دو دالان ہیں (اگلے دالان کو برآمدہ کہنا مناسب ہوگا) جن کی چھتیں نو تعمیر ہیں۔ خاص عمارت کے پہلوؤں میں صحنچیاں ہیں۔ دروازے لوہے کے ہیں۔ کل ملا کر نو دَر ہیں (۲+۵+۲) امام باڑے کی زینت لکڑی کی ایک ضریح ہے جو امام علی رضاؑ (آٹھویں امام) کے روضے کی نقل ہے۔

امام باڑے کے سامنے ایک وسیع صحن ہے جہاں جابجا قبروں کے نشان ہیں۔ سالار جنگ (متوفی ۱۷۸۷ء) اور ان کے بیٹے قاسم علی خاں بھی اسی امام باڑے میں دفن ہیں لیکن قبروں کا پتا نہیں۔ امام باڑہ وثیقہ دفتر کی نگرانی میں ہے۔ عزاداری اور مجالس ہوتی ہیں۔

(۶) امام باڑہ زین العابدین خاں

گول دروازے سے کاکوری جانے والی سڑک پر بائیں جانب کالی چرن انٹر کالج ہے۔ اس سے ملا ہوا ایک شاندار مگر شکستہ امام باڑہ نواب آصف الدولہ کے زمانے (۱۷۷۵ء-۱۷۹۷ء) کی یادگار ہے۔ اسے میر زین العابدین خاں (متوفی ۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۲ء) نے بہ صرف کثیر الماسی اینٹ سے تعمیر کرایا تھا۔ موصوف الماس علی خاں خواجہ سرا کی طرف سے کئی پرگنوں کے عامل تھے۔

اس عمارت میں شہ نشین کے سامنے پانچ پانچ دروں کے دو دالان ہیں۔ چھتیں گرنے کی وجہ سے یہ امام باڑہ عرصۂ دراز تک اینٹوں کا ڈھیر بنا رہا۔ دالان اب بھی بغیر چھتوں کے ہیں۔ شہ نشین کی چھت نئی تعمیر ہے۔ اس کی دیوار پر سنگِ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:

مولانا کلب عابدؒ ہال   افتتاح ۲۸/ جون ۱۹۹۲ء
بدست: مولانا سید کلب جواد صاحب قبلہ
منجانب: علی کانگریس

(اس مضمون کی اشاعت کے بعد امامباڑے میں دوسرے دو بڑے ہالوں کی تجدیدِ تعمیر ہوئی جس میں ایک قدوۃ العلماء مولانا آقا حسن ہال اور ایک شمس الحسن

تاج ہال کے نام سے موسوم ہے۔ ساتھ ہی اماباڑے کا میدان سے پہلے صدری دروازہ ''باب آقائے شریعت'' کے نام سے تعمیر ہوا۔[ادارہ])

دروں کے پایوں اور محرابوں پر نہایت خوبصورت مُنبّت کاری ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دالانوں کے سامنے وسیع صحن ہے جو آرائش کا محتاج ہے۔ امام باڑے میں حسب معمول مجالس ہوتی ہیں۔(متولی: سیدکلب جوادصاحب قبلہ)

(۷)امام باڑہ راجہ جھائو لال

یہ امام باڑہ ٹھاکر گنج میں واقع ہے۔ اِسے نواب آصف الدولہ کے وزیر راجہ جھاؤلال نے بنوایا تھا۔ جب قدوۃ العلماء سید آقا حسن (متوفی ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء) نے یہاں ''شیعہ بیت المال'' قائم کیا، تب سے یہ اس نام سے مشہور ہوگیا۔

امام باڑے کے راجہ جھاؤلال کی بنوائی مسجد بھی ہے جو املی والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ پہلے یہ مسجد امام باڑے کے احاطے میں تھی لیکن سڑک (کاکوری روڈ) نکلنے کی وجہ سے الگ ہوگئی۔

امام باڑے کے دائیں جانب بابا گومتی داس کا مندر ہے (اس کے پیچھے ٹی۔بی۔اسپتال ہے) اِسے نواب آصف الدولہ ۱۷۷۵ء-۱۷۹۷ء) نے بابا کی رہائش گاہ کے لئے بنوایا تھا۔ اسی لئے اِسے بابا گومتی داس کا استھل بھی کہتے ہیں۔ امام باڑے اور اس مندر کا طرز تعمیر یکساں (مغل اور راجپوت طرز تعمیر کا امتزاج) ہے۔

امام باڑے کا صحن پہلے کافی وسیع تھا، لیکن حصار کی دیواریں گر جانے کی وجہ سے لوگوں نے رفتہ رفتہ امام باڑے کی آراضی پر قبضہ کرلیا۔ امام باڑے کے دونوں طرف مکان اور دُکانیں ہیں۔

موجودہ عمارت میں شہ نشین کے سامنے دالان ہے۔ دونوں میں نو نو در ہیں۔ دالان کے پہلوؤں میں تین تین در ہیں۔ اس کی چھتیں اور حصّے گر گئے تھے پھر سے بنائے گئے ہیں۔ تعمیر کا کام جو سنہ ۱۹۶۷-۶۸ء سے شروع ہوا تھا اب مکمل ہو چکا ہے۔ انجمن رضا کارانِ حسینی اس امام باڑے کی نگرانی کرتی ہے۔

یہاں باقاعدہ مجلسیں ہوتی ہیں۔
(متولی: سید شمس الحسن تاجؔ، سکریٹری انجمن رضا کاران حسینی)

(۸)امام باڑہ ملکہ زمانیہ

یہ امام باڑہ محلہ گولا گنج میں واقع ہے۔ اس کے سامنے جگت نرائن روڈ ہے اور دائیں جانب وہ سڑک ہے جو جھاؤلال کے پل سے ہوکر امین آباد جاتی ہے۔ اس کے سامنے، دائیں طرف مسجد ملکہ زمانیہ ہے، یہ دونوں عمارتیں نواب ملکہ زمانیہ زوجۂ نصیرالدین حیدر نے باہتمام محمد احسن خاں ۱۸۳۷ء میں بنوائی تھیں۔

دسمبر ۱۸۴۳ء میں ملکہ زمانیہ نے بہ زمانہ امجد علی شاہ انتقال کیا اور اپنے ہی امام باڑے میں دفن کی گئیں لیکن قبر کا پتا نہیں۔ امام باڑے کی حالت نہایت افسوس ناک ہے۔ مسجد آباد ہے۔

امام باڑے کی عمارت میں ایک شہ نشین اور اس کے سامنے دو کشادہ دالان ہیں۔ ہر ایک میں پانچ پانچ در ہیں۔ پہلو میں تین دروں والی صحنچیاں ہیں۔ سامنے کی صحنچیاں دو منزلہ تین تین دروں والی ہیں۔ چھتیں سب کی گر چکی ہیں۔ صرف ایک حصے میں دھنّیاں، جھانپیں اور چند شہتیر باقی ہیں۔

امام باڑے کے صحن کی جگہ ایک کچّا میدان ہے جس پر ایک دودھ والے کا قبضہ ہے۔ گائیں امام باڑے کے اندر آرام کرتی ہیں (شاید انھیں بھی سکون کی ضرورت ہے) جابجا کنڈوں، اپلوں اور گوبر کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ اوبڑ کھابڑ زمین اور کوڑے کرکٹ کو پار کرکے امام باڑے میں رسائی ہوسکتی ہے۔

پہلے اس کے صحن میں نہر تھی۔ لب سڑک عظیم الشان پھاٹک تھا۔ در و دیوار پر خوشنما منبت کاری اور رنگ آمیزی تھی، لیکن اب کچھ باقی نہیں ہے۔ امام باڑے کی آراضی فروخت ہو چکی ہے جس پر عمارتیں اور دکانیں بن گئی ہیں۔ بہر حال جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُسے مزید بربادی سے بچانے کی اشد ضرورت ہے۔ سید آغا مہدی صاحب مصنّف تاریخِ لکھنؤ کی رائے میں یہ ''امام باڑہ اپنی وسعت کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر ہے۔ امام باڑہ آصفی، امام باڑہ جھاؤلال، امام باڑہ ملکہ زمانی بزرگ ترین

عمارتیں ہیں۔"(۱)

(۹) امام باڑہ ولایتی محل

یہ امام باڑہ بیگم والی کوٹھی، ریزیڈنسی (بیلی گارد) میں واقع ہے۔ اس کوٹھی میں کبھی جارج ہاپکنس والٹرز (George Hopkins Walters) کا خاندان رہا کرتا تھا۔ ان کی ایک بیٹی سے شاہ نصیرالدین حیدر نے ۱۸۲۷ء میں عقد کر کے نواب مخدرہٴ علیہ کا خطاب دیا۔ وہ ولایتی محل کے نام سے مشہور ہوئیں۔ بادشاہ کے انتقال (۱۸۳۷ء) کے بعد وہ دولت سرائے سلطانی سے اپنے والدین کے مکان میں منتقل ہوگئیں اور بعد انتقال (۱۸۴۰ء) اپنے مکان کے صحن میں اپنی ماں کی قبر کے پاس دفن کی گئیں۔ (یہ مکان ان کے قیام کی وجہ سے بیگم والی کوٹھی کے نام سے مشہور ہوگیا۔)

بیگم والی کوٹھی سے متصل ایک امام باڑہ اور ایک مسجد ہے جنہیں نواب مخدرہ علیا یا ان کی سوتیلی نومسلم بہن اشرف النساء نے بنوایا تھا۔ غدر میں ان دونوں عمارتوں کو بہت نقصان پہنچا۔

امام باڑے میں ایک شہ نشین اور سامنے دو دالان ہیں۔ تینوں میں پانچ پانچ در ہیں۔ دونوں جانب تین دروں والی بلند و بالا صحنچیاں ہیں۔ چھتیں سب کی منہدم ہوچکی ہیں۔ سامنے وسیع صحن ہے۔ مشرقی غلام گردش اب باقی نہیں ہے۔ مغربی غلام گردش کی چھت کے ایک حصے پر مسجد ہے جو بلندی کی وجہ سے دُور نظر آتی ہے۔ "امام باڑے میں منبتی نقش ونگار اور گل بوٹے نہایت دلکش اور خوشنما بنے ہوئے ہیں جو اس زمانے کے معماروں کی استادی اور چابک دستی کا پتہ دیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جیسا خوبصورت نوک پلک سے درست اور جاذبِ نظر آرائشی کام اس مسجد اور امام باڑے میں بنا ہے ایسا ریزیڈنسی کی کسی عمارت میں نہیں ہے۔"(۲)

(۱۰) امام باڑہ مغل صاحب

یہ امام باڑہ درگاہ حضرت عباس کے دائیں جانب محلہ رستم نگر میں وزیر باغ روڈ پر واقع ہے۔ راستہ گلی سے ہو کر پلیا کے پار ہے۔ اسے تاجدار اودھ محمد علی شاہ کی بیٹی مغل صاحب نے ۱۸۷۹ء میں بنوایا تھا۔ مغل صاحب عرف، اصلی نام اُمت الصغریٰ فخر النساء بیگم تھا۔ بعد انتقال (۸/دسمبر ۱۸۹۳ء) اپنے ہی امام باڑے کے دالان میں دفن کی گئیں۔

امام باڑے کے عالی شان پھاٹک کا صرف ایک پکھّا (دائیں جانب کا) باقی ہے جس کے اوپر ایک خوبصورت گنبد ہے۔ پھاٹک کے اس حصے میں اوپر سے نیچے تک نہایت خوشنما منبت کاری ہے۔ "اس انداز کا نازک اور دلکش کام لکھنؤ کے کسی امام باڑے کے پھاٹک میں نہیں ہے۔"(۳)

پھاٹک کے دائیں جانب ایک دومنزلہ عمارت ہے جس میں اوپر نیچے پانچ پانچ در ہیں۔ اوپر کے کمروں اور نیچے کی دکانوں میں کرائے دار آباد ہیں۔ غالباً ایسی ہی عمارت پھاٹک کے دائیں جانب بھی تھی لیکن اب اس کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔

پہلے پھاٹک سے گزر کر کچھ فاصلے پر ایک دوسرا پھاٹک ملتا ہے جو ادنا درجے کا ہے۔ اس کے اندر کے رُخ پر دو مچھلیاں بنی ہیں۔ امام باڑہ اس پھاٹک کے دائیں جانب ہے۔ پھاٹک سے باہر، بائیں جانب بلندی پر مغل صاحب کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔ دونوں کے راستے کھڑی لکھوری کے اینٹوں کے بنے ہیں۔

امام باڑہ ایک اونچے چبوترے پر بنا ہے جس کے دونوں جانب پانچ پانچ زینے ہیں۔ چبوترے کے سامنے ایک وسیع صحن ہے جس کے بیچ میں ایک خوشنما نہر (پختہ مستطیل حوض) ہے۔ صحن کے دونوں جانب غلام گردش ہے جس کے کمروں میں کرائے دار آباد ہیں۔

امام باڑہ ایک شہ نشین اور دو دالانوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک میں پانچ پانچ در ہیں۔ سامنے کے رُخ امام باڑے کے دونوں جانب دو نہایت خوشنما گنبد ہیں جن کے نیچے کی تعمیر ہشت پہل ہے۔ ان سے ملے ہوئے کمروں میں دونوں جانب اوپر جانے کے لئے زینے ہیں۔ امام باڑے کے اندر کی مُنبت کاری اور رنگ آمیزی قابل دید ہے۔ "پلستر میں جو مصالحہ صرف ہوا تھا

اُس کا جزو غالب سنگِ جراحت ہے اور استر کاری میں وہ چمک ہے جو کسی عمارت میں نہیں۔"[4]

امام باڑے کا منبر نادر روزگار ہے۔ اتنا اونچا منبر ہندوستان بھر میں نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ منبر مغل صاحب کے زمانے کا ہے۔ نہ جانے کون سی لکڑی ہے کہ اب تک دیمک نہ لگی۔

امام باڑہ شیعہ سنٹرل وقف بورڈ کی نگرانی میں ہے۔ کرائے دار بھی اس کے محافظ ہیں۔ باقاعدہ مجلسیں ہوتی ہیں۔ چند سال سے آگ کا ماتم بھی ہوتا ہے۔

(۱۱) امام باڑہ آغا باقر خاں

یہ امام باڑہ چوک کی سبزی منڈی کے مشرق میں واقع ہے۔ اسے نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں ۱۷۵۶ء-۱۷۷۵ء) آغا اسمٰعیل دلاور جنگ کی خواہش پر ان کے چچا و کار پرداز آغا باقر خاں نے بنوایا تھا۔ آغا باقر نواب شجاع الدولہ کی فوج میں پانچ ہزار سواروں کے رسالدار تھے۔ اُس زمانے میں یہ لکھنؤ کا دوسرا امام باڑہ تھا۔ پہلا امام باڑہ آغا ابوطالب خاں نے بنوایا تھا، لیکن اب وہ موجود نہیں ہے۔

۱۸۵۸ء میں جب انگریزوں نے امام باڑہ آصف الدولہ کو فوجی چھاؤنی قرار دے کر اردگرد کی ساری عمارتیں مسمار کرادیں تو یہ امام باڑہ بھی شہید ہوگیا۔ یہاں مرزا کام بخش (خلف مرزا سلیمان شکوہ پسر دویم حضرت شاہ عالم ثانی، بادشاہ دہلی) کی قبر تھی۔ اسی لئے ان کے بیٹے مرزا حیدر شکوہ نے ۱۸۵۹ء میں آراضی کو واگذار کرا کے دوبارہ امام باڑہ بنوایا۔ اب وہ باقی نہیں ہے۔ موجودہ تعمیر کا آغاز ۱۹۷۱ء سے ہوا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

امام باڑے کے دو حصے ہیں: سامنے مردانہ، پیچھے زنانہ، آگے پیچھے صحن اور اردگرد چہار دیواری ہے۔ امام باڑے کی زینت ضریح کے علاوہ ایک خاص وضع کا علم ہے جو زمین کھودنے پر برآمد ہوا تھا۔ امام باڑے کے اندر اور باہر (صحن میں) جابجا قبریں ہیں۔

یہ امام باڑہ زمانہ قدیم سے مقبول خاص و عام ہے۔ ہر جمعرات کو عقیدتمند مرد و عورتوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ شام کو ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے۔ حدیث کساء کی تلاوت اور حضرت علی کی شان میں مناجات ہوتی ہے۔ شب کے ۱۲ ربجے تک آنے والوں کی تعداد گھٹ کر سو سوا سو رہ جاتی ہے۔

(متولی: کشور جہاں صاحبہ، اہلیہ یوسف اختر صاحب)

(۱۲) امام باڑہ غفران مآب

یہ امام باڑہ چوک کی سبزی منڈی کے مشرق میں واقع ہے۔ (آغا باقر کا امام باڑہ اسی سے چند قدم پہلے بائیں جانب ہے) اس کے سامنے سے وکٹوریہ اسٹریٹ گزرتی ہے اور پشت پر کینگ اسٹریٹ ہے۔ سڑک (وکٹوریہ اسٹریٹ) سے سیدھا راستہ گیا ہے۔ سبزی سے لدے چھکڑوں اور ٹرکوں کی وجہ سے گندہ راستہ پار کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔

یہ امام باڑہ ۱۲۲۷ھ (مطابق ۱۸۱۲ء) میں مولانا سید دلدار علیؒ صاحب نے بنوایا تھا جو ہندوستان میں امامیہ مذہب کے پہلے مجتہد تھے۔ غفران مآب لقب بعد وفات ہوا۔

امام باڑے کے دائیں جانب ایک کمرے میں بانیٔ امامباڑہ ان کی زوجہ اور ان کے چھوٹے بیٹے سید العلماء سید حسین مجتہد کی قبریں ہیں۔ (وفات ۱۸؍اکتوبر ۱۸۵۶ء بہ عہد واجد علی شاہ، لقب بعد وفات علیین مکاں) ان کے علاوہ ایک چوتھی قبر ہے جس کے سنگِ مزار پر کتبہ ہے "مزار امقدس قدوۃ العلماء، بانیٔ شیعہ کانفرنس" قبروں پر سنگ مرمر کے تختے نصب ہیں جن میں تراش کر خوشنما محرابیں بنائی گئی ہیں۔ حوض (گہرے حصے) میں کتبے ہیں۔ بانیٔ امام باڑہ کی قبر پر کتبہ ہے "مزار محترم مجدد شریعت حضرت غفران مآب طاب ثراہ" ان کے بیٹے سید العلماء کی قبر کا پتھر سب سے بڑا ہے۔ غالباً اتنا بڑا سنگ مرمر کا تختہ کسی دوسری قبر پر کہیں نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے یہ ایران سے لایا گیا تھا۔

امام باڑے کے دائیں جانب غفران مآبؒ کے بڑے

بیٹے سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد کی بنوائی ہوئی شاندار مسجد ہے (سنہ تعمیر ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۶۸ء) سلطان العلماء نے ۲۲ربیع الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء کو رحلت کی اور امام باڑے کے ضریح والے دالان میں دفن ہوئے۔

امام باڑے کی موجودہ عمارت نئی ہے۔تعمیر کا سلسلہ سنہ ۱۹۵۴-۵۵ء سے شروع ہوا اور اب تک جاری ہے۔

امام باڑے میں سامنے کے رُخ پانچ در ہیں جن کے دروازے لکڑی کے ہیں۔عمارت کے دونوں جانب برآمدے اور ان کے پیچھے کمرے ہیں۔ جن میں چار چار در ہیں (۴+۵+۴) چھت پر دونوں جانب خوبصورت گنبد ہیں۔ عمارت کا رنگ باہر کی جانب زرد ہے۔ رنگ خوشنما صدر دروازے کا بھی ہے۔

امام باڑے میں داخل ہونے پر پہلے دو دالان (یا کمرے) نظر آتے ہیں۔جن کا فرش نہایت خوشنما (Mosaic) کا ہے۔صرف ایک قبر کچّی ہے (پکے فرش کے نیچے بھی قبریں ہیں) دونوں دالان پار کرنے کے بعد شہ نشین کے درمیانی دَر میں امام حسین علیہ السلام کی ضریح کی زیارت ہوتی ہے۔اس دَر کا دروازہ اور اِردگرد کی کھڑکیاں لوہے کی ہیں جن کا رنگ سبز ہے۔ شہ نشین سے متصل دالان میں بائیں جانب منبر نظر آتا ہے۔

دونوں دالانوں کے پہلوؤں میں دومنزلہ صحنچیاں ہیں۔ شہ نشین سے متّصل دالان کی صحنچیوں میں اوپر نیچے تین تین در ہیں اوراس کے بعد والے (اگلے) دالان کی صحنچیوں میں اوپر نیچے دو دو دَر ہیں۔(۲+۳=۵)

امام باڑے کے سامنے کچا میدان ہے جس میں جابجا صدر دروازے (گیٹ) تک قبریں نظر آتی ہیں۔صحن کے دو حصے ہیں: امام باڑے سے متصل وقف خاص ہے جو افراد خاندان کے لئے مخصوص ہے۔اس کے آگے وقفِ عام ہے۔ قبروں کے کتبے پڑھ کر عبرت ہوتی ہے۔ نہ جانے کتنے علمائے دین، نامور شاعر اور باکمال ادیب یہاں دفن ہیں۔''اہل قلم حسینی شاعر فضل نقوی (تاریخ وفات ۱۴رمئی ۱۹۹۱ء) کے سنگِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے ؎

زندگی چند دن کی رعنائی
پھر ہزاروں برس کی تنہائی

بھلا اِسے کون بھلا سکتا ہے۔

امام باڑہ غفران مآب کا نام ''شامِ غریباں'' کی مجلس کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔یہ مجلس بروز عشرہ (۱۰رمحرم) رات کی تاریکی میں کھلے میدان میں منعقد ہوتی ہے جس کے لئے منبر اندر سے باہر لاکر رکھا جاتا ہے۔ہر سال بے شمار انسان ریڈیو پر اس مجلس کو سنتے ہیں۔بیان اتنا پُراثر ہوتا ہے کہ ہر شخص بلاامتیاز مذہب وملت آبدیدہ ہوجاتا ہے۔

متولیان: مولانا سید کلب حسین صاحب (مرحوم)
مولانا سید کلب عابد صاحب (مرحوم)
موجودہ: مولانا کلب صادق صاحب، مولانا سید کلب جواد صاحب۔

منتظم مجالس: سید شمس الحسن تاجؔ (شمسی صاحب)

(۱۳) جنت کی کھڑکی

چوک کی سبزی منڈی کے مشرق میں امام باڑہ غفران مآب سے چند قدم پہلے دائیں جانب ایک سفید دومنزلہ عمارت ہے جس کے سبز پھاٹک کے دائیں طرف دیوار پر ایک دائرے میں ''حسن منزل'' اور بائیں جانب دیوار پر دوسرے دائرے میں ''حسین منزل'' لکھا ہے۔ یہی عمارت ''جنت کی کھڑکی'' ہے۔اسے حکیم سید یوسف حسین نے ۱۹۱۵ء میں بنوایا تھا۔

یہ امام باڑے کے علاوہ مکان بھی ہے جس میں وارثان رہتے ہیں۔اس کی عمارت میں خاص بات یہ ہے کہ لکڑی کا کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے۔سب دروازے لوہے کے ہیں۔

صدر دروازے کے بعد ڈیوڑھی اوراس کے دونوں طرف کوٹھریاں ہیں۔ڈیوڑھی کے بعد پُختہ صحن ہے۔اس کے سامنے دالان اور پھر شہ نشین جس کی زینت زمانہ قدیم کی ایک ضریح

ہے۔ دالان کے دائیں جانب سہ منزلہ مسجد ہے اور بائیں جانب دومنزلہ صحنچی۔

صحن کے دائیں جانب مذکورہ دالان سے متصل غسل خانہ اور پھر ایک کمرہ ہے۔ صحن کے بائیں جانب برآمدے میں باورچی خانہ ہے۔ گھر کے باہر بائیں جانب دکانیں ہیں۔

چہل منبری اس امام باڑے کی خصوصیت ہے۔ یہاں ۹رمحرم کی شب میں چالیس چھوٹے چھوٹے منبر آراستہ کئے جاتے ہیں۔ حاجت مند آتے ہیں۔ منّتیں مانتے ہیں اور مراد پوری ہونے پر چالیس منبروں پر شیرینی چڑھا کر رسولِ خدا کی نیاز دلواتے ہیں۔

(۱۴) امام باڑہ سید تقی صاحب

یہ امام باڑہ چوک میں مسجد تحسین علی خاں کی پشت پر واقع ہے۔ راستہ مسجد کے دونوں طرف گلیوں سے ہوکر ہے۔ تیسرا راستہ عبدالعزیز روڈ (مولانا علی نقی روڈ) سے ہے۔

امام باڑے کی عمارت میں سامنے کے رُخ پانچ بلند و بالا در ہیں جن میں لوہے کے سبز دروازے لگے ہیں۔ درمیانی در کے اوپر سنگِ مرمر کی ایک تختی پر مندرجہ ذیل کتبہ ہے:

حسینیہ حضرت جنت مآب طاب ثراہ

زیر نظر مرمت و تعمیر

سرپرستی جناب صدرالعلماء مولانا سید باقر صاحب قبلہ

متولی وقف ہذا

۱۴۰۲ھ

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۸۱ء میں پرانی عمارت کی مرمت و تعمیر ہوئی۔ لوہے کے دروازے حفاظت کے خیال سے لگائے گئے ہیں۔ پہلے دروں میں بجائے جوڑیوں کے قدیم وضع کے لکڑی کے کھڑے تختے لگے تھے جو ضرورت کے وقت ہٹادیئے جاتے تھے۔

امام باڑے کے دائیں جانب ''دانش گاہ ممتاز العلماء'' (مدرسہ) اور ''کتب خانہ ممتاز العلماء'' ہیں۔ اس کتب خانے میں قلمی کتابوں کا بے نظیر ذخیرہ ہے جو وقف علی الاولاد ہے۔

اس امام باڑے کو ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی صاحب نے بنوایا تھا۔ ۸رجولائی ۱۸۶۸ء کو سنگِ بنیاد رکھا۔ فروری ۱۸۷۱ء میں بن کر تیار ہوا۔

اس کے بانی سید العلماء مولوی سید حسینؒ صاحب کے فرزند اور مولوی سید دلدار علی صاحب غفران مآبؒ کے پوتے تھے۔ ممتاز العلماء اور فخر المدرسین کے خطاب حضرت امجد علی شاہ (زمانۂ حکومت ۱۸۴۲ء-۱۸۴۷ء) نے دیئے تھے۔ بعد وفات (۲۶رنومبر ۱۸۷۲ء) ''جنت مآب'' لقب ہوا۔ قبر امام باڑے کے وسطی دالان سے متصل صحنچی میں ہے۔ پیتیا نے آپ کے پسر اکبر و جانشین شمس العلماء سید محمد ابراہیمؒ صاحب مجتہد کا مزار ہے۔ (وفات ۱۲رجنوری ۱۸۹۰ء)

شہ نشین کی زینت کربلائے معلّٰی کی مٹی کی ایک ضریح ہے جو ممتاز العلماء کے زمانے میں عراق سے آئی تھی۔ ضریح کے سامنے والے در (بارگاہ حسینی) میں لکڑی کی خوشنما جالی لگی ہے۔

شہ نشین کے سامنے تین کشادہ دالان ہیں جن میں سے ہر ایک میں پانچ پانچ در ہیں۔ اگلے دو دالانوں کے دونوں جانب دو منزلہ صحنچیاں ہیں جن میں سے ہر ایک میں اوپر نیچے تین تین در ہیں۔ (بعض در بند کردیئے گئے ہیں) دالانوں کی پرانی چھتیں لکڑی کے لٹھوں اور دھنّیوں کی بنی تھیں۔ اب ان کی جگہ سلیب (Slab) نے لے لی ہے۔

امام باڑے کے سامنے ایک وسیع صحن (کچّا میدان) ہے۔ جب مجلس میں شریک ہونے والوں کو اندر جگہ نہیں ملتی تو وہ باہر میدان میں دریوں پر شامیانے کے نیچے بیٹھتے ہیں۔

اس امام باڑے کے بارے میں سید آغا مہدی صاحب، مصنف تاریخ لکھنؤ (کراچی ۱۹۷۶ء) کی یہ رائے ہے ''یہ امام باڑہ، امام باڑہ آصفی، امام باڑہ جھاؤلال، امام باڑہ ملکہ زمانی کے بعد چوتھے نمبر پر ہے۔ اور اس سے بڑا کوئی عزاخانہ نہیں ہے۔'' (صفحہ ۸۴)

(بقیہ ۔۔۔۔ صفحہ ۱۷ر پر)

کے مسئلہ پر ازسرِ نو غور کرنا تھا۔ نہیں وہ تو غور کرنے کی بات ہی نہ تھی، بلکہ آپ چاہتے تھے کہ آپ آخری مرتبہ پوری رات عبادت خدا میں بسر کر لیں۔ نیز اپنے ساتھیوں کو خطرہ کے یقینی ہونے کے بعد موقع دے دیں کہ وہ اگر آپ کا ساتھ چھوڑ کر جانا چاہیں تو چلے جائیں۔ مگر امام حسینؑ کے ساتھی سب ایسے فرض شناس تھے کہ انہوں نے اس مہلت سے اس طرح کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور سب کے سب امام حسینؑ کے ساتھ تمام رات عبادت خدا میں مصروف رہے۔ صبح ہوئی ابن سعد نے اپنی فوج کو مرتب کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنی چھوٹی سی جماعت کو مرتب کیا۔ فوج کے انداز پر میمنہ ومیسرہ کے سردار مقرر کئے اور علمدار لشکر اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ کو بنایا۔

آغاز جنگ عمر سعد نے کیا اس طرح کہ ایک تیر چلّہ کمان میں جوڑ کر رہا کیا اور اس کے ساتھ چار ہزار کمانیں کڑکیں، اور اتنے ہی تیر آئے جس کے بعد امام حسینؑ نے بھی جاں نثاروں کو للکارا کہ بس اب حجّت تمام ہو چکی ہے۔ کہاں تیس ہزار اور کہاں بہتر کی مختصر جماعت؟ مگر ان بہتر نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ زمین وآسمان کو اپنی پرجگری اور شیر دلی کا گواہ بنا دیا۔ ان میں سے کسی ایک نے قدم میدان سے نہیں ہٹایا۔ جب اصحابؑ سب شہید ہو گئے تو عزیزوں کی باری آئی اور امام حسینؑ کے بھانجے، بھتیجے، بھائی ایک ایک کر کے شہید ہوئے۔ آخر میں علمدار نامدار ابوالفضل العباسؑ اور مشہور روایت کے مطابق، ان کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے اٹھارہ برس کے کڑیل جوان بیٹے علی اکبرؑ نے بھی جو ہو بہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر تھے، داغ جدائی دیا اور سب سے آخر میں وہ بے مثال قربانی پیش کی جو تاریخ میں پہلی بار اور آخری دفعہ پیش ہوئی یعنی چھ مہینے کی جان علی اصغرؑ جو باپ کے ہاتھ پر تیر سے شہید ہوئے۔ پھر خود حضرت امام حسینؑ تین دن کی بھوک و پیاس میں یادگار اور بے مثال شجاعت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد شہید کئے گئے۔ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام خیموں میں آگ لگا دی گئی، سامان لوٹا گیا اور اہل حرم کو اسیر کر کے شہر بہ شہر اور دیار بدیار پھرایا گیا۔ یہ سب کچھ ہو گیا مگر حسینؑ نے اور ان کے بعد ان کے کسی بچہ نے بھی یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔

یہی ہے وہ قربانی جس کی یادگار محرم میں ہر سال قائم ہوتی ہے اور اس ذیل میں ''سال بہ سال'' شہیدان کربلا کا ماتم ہوتا ہے، جو ساڑھے تیرہ سو برس سے قائم ہے اور یقین کرنا چاہئے کہ جب تک زمین وآسمان قائم ہیں، یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے گا۔

(۸ رمئی ۱۹۶۶ء)

یہ ایک ریڈیو تقریر ہے جو پہلے رسالہ 'شیعہ' لاہور مورخہ ۸ رمئی ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی، پھر امامیہ مشن، لکھنؤ نے محرم ۱۳۸۷ھ (۱۹۶۷ء) میں اپنی سلسلہ اشاعت نمبر ۵۱۲ کے طور پر شائع کیا۔

بقیہ ...... لکھنؤ کے امام باڑے

امام باڑے سے کچھ دور دائیں جانب ایک مختصر سی عمارت ہے جس پر لکھا ہے ''آرام گاہ سید العلماء'' یہاں افراد خاندان دفن ہیں جن کے نام یہ ہیں: (۱) جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب والد محترم سید علی نقیؒ صاحب (۲) سید العلماء مولانا سید علی نقیؒ صاحب عرف نقّن صاحب (۳) اہلیہ مولانا سید ابوالحسنؒ صاحب (۴) دختر سید علی نقی صاحب۔

آرام گاہ سید العلماء سے متصل ایک قدیم مسجد بھی ہے جس کی مکمل مرمت مولانا سید باقر صاحب قبلہ نے کرائی ہے۔ امام باڑے کے موجودہ متولی مولانا سید باقر صاحب قبلہ، مولانا سید علی نقیؒ کے چھوٹے بھائی ہیں۔

حواشی:

(۱) سید آغا مہدی، تاریخ لکھنؤ (کراچی ۱۹۷۶ء) جلد اول، ص ۳۰۷

(۲) شیخ تصدق حسین، بیگمات اودھ (کتاب نگر لکھنؤ) ص ۱۴۲

(۳) شیخ تصدق حسین، لکھنؤ کے دو تاریخی امام باڑے، (استقلال) لکھنؤ ۲۳ راگست ۱۹۵۱ء ص ۶

(۴) سید آغا مہدی، تاریخ لکھنؤ (کراچی ۱۹۷۶ء) جلد اول، ص ۱۲۳

(بشکریہ ماہنامہ ''نیا دور'' اودھ نمبر فروری۔ مارچ ۱۹۹۴ء)